ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو☆/ڈاکٹر عاصمہ رانی☆☆

اقبال کا تصور خود پرستی

Iqbal's concept of selfishness

Abstract:

Iqbal's concept of selfishnessdelves into the philosophical and moral views of the famed poet and philosopher, Allama Muhammad Iqbal. Central to Iqbal's notion is the belief of the self (khudi) and its evolution in the direction of a better ethical and non-secular state. selfishness, in Iqbal's context, refers back to the man or woman's notion of their personal ethical superiority or righteousness, frequently main to a experience of vanity or self-satisfaction. However, Iqbal's concept is going past mere ethical judgment; it includes a dynamic method of self-cognizance and ethical growth. For Iqbal, proper righteousness isn't determined in stagnant self-warranty however withinside the non-stop striving in the direction of ethical excellence and self-improvement. He emphasizes the significance of introspection and self-attention in spotting one's obstacles and flaws, thereby fostering humility and empathy in the direction of others. Furthermore, Iqbal's idea of self-righteousness is carefully tied to his imaginative and prescient of man or woman and collective empowerment. He believes that proper ethical power arises from a deep connection to one's internal self and a experience of obligation in the direction of society. Thus, self-righteousness, whilst nicely understood and cultivated, turns into a catalyst for fantastic alternate and social progress. In summary, Iqbal's idea of self-righteousness encapsulates a nuanced information of ethical man or woman and private growth, emphasizing the chronic striving

☆اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ صادق کالج وومن یونی ورسٹی، بہاول پور
☆☆ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ صادق کالج وومن یونی ورسٹی، بہاول پور

for distinctive feature and self-attention withinside the pursuit of a better moral ideal.

Keywords: Allama Muhammad Iqbal, Poetry, Philosophy, Humanity, Believed, Mistakes, self-determination, freedom, Khudi, self-righteousness and self-determination, selfishness.

اقبال اردو زبان و ادب کے وہ عظیم شاعر ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کے فلسفے کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کر کے اپنے تخلیقی سفر کے لئے ایک ایسی راہ تلاش کی جو بلکل منفرد ہے اور یہ منفرد تخلیقی سفر انہیں دیگر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اقبال کی شاعری اپنی گہری روحانیت، گہری فلسفیانہ بصیرت اور اسلامی روح کی بحالی پر زور دینے کے باعث مشہور ہیں۔ ان کی تحریریں بیداری، معاشرے میں فرد کا مقام اور روحانیت جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کو ترقی و خوشحالی، سماجی اور سیاسی رکاوٹوں کو دور کرنے کی ترغیب دی۔
بقول نورالحسن نقوی:

> "اقبال اس ادب کے قائل تھے جو زندگی کو سنوارنے میں انسان کا مددگار ہو۔ وہ نہ فلسفی ہونے کے دعویدار تھے اور نہ شاعر بلکہ خود کو ایک پیغامبر اور ایک مخصوص نظامِ فکر کا شارح و مفسر کہتے تھے۔"(۱)

اقبال ایک سرگرم سیاسی رُکن بھی تھے۔ انہوں نے ایک آزاد مسلم ریاست کے تصور کی بھرپور حمایت کی اور اقبال نے برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کے لیے جدوجہد بھی کی۔ ان کے مشہور خطبہ الہ آباد نے پاکستان کے حتمی قیام کی بنیاد رکھی۔ پاکستان اور دیگر جگہوں پر ان کی تصانیف اب بھی سیاسی، فلسفیانہ اور ادبی نظریات کو متاثر کر رہی ہیں۔

اس تحریر کا مقصد اقبال کے ذہنی و فکری افکار خود پرستی اور آزادی کے متعلق ان کے نظریات کا جائزہ لینا ہے۔ اقبال کی شاعری اور فلسفیانہ کاموں میں خود پرستی محض انفرادی نہیں ہے بلکہ ایک متحرک قوت ہے جو خود شناسی اور روحانی عروج کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اقبال کے نزدیک خود پرستی فنا یا نفی کرنے کی چیز نہیں ہے جیسا کہ بعض مشرقی فلاسفر تجویز کرتے ہیں بلکہ ترقی یافتہ، بہتر اور بلند ہونے کی چیز ہے۔ اقبال کے مطابق زندگی کا اصل مقصد انفرادی خود پرستی میں موجود صلاحیت کا ادراک ہے۔ جس سے شعور کی اعلیٰ کیفیت اور قربت حاصل ہوتی ہے۔

اقبال کے نزدیک خود پرستی اتحاد میں ظاہر ہوتی ہے جو انسان میں خود پرستی پرستی کا سبب بنتی ہے۔ خود پرستی دراصل وحدتوں کی حقیقت اور شعور کے متعلق ایک نظریہ ہے۔ انسان سب سے زیادہ حقیقت پسند ہے کیونکہ وہ تنہا اپنے خالق کی تخلیق میں شعوری طور پر حصہ لیتا ہے۔ انسانی خود پرستی کو پیدا کر کے خدا نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو کافی حد تک محدود کر دیا ہے یعنی تمام زندگی انفرادی ہے اور خود پرستی اس انفرادیت کی اعلی ترین شکل ہے جو خدا کے قریب لے جاتی ہے۔ اس بارے میں اقبال کا کہنا ہے:

در جہاں تخم خصومت کاشت است
خویشتن را خیر خود پنداشت است

سازد از خود پیکر اغیار را

تا فزاید لذت پیکار را(۲)

سب سے پہلے اقبال اس بات پر غور کرتے ہیں کہ جدید نفسیات خودپرستی یعنی خودپرستی کی فطرت پر کیا روشنی ڈالتی ہے۔ وہ ولیم جیمز کے شعور کے تصور کو "فکر کا ایک دھارا" کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ ہماری ذہنی زندگی کی ایک ذہین وضاحت ہے لیکن یہ شعور کے لیے درست نہیں ہے کیوں کہ ہم اسے اپنے اندر پاتے ہیں یعنی شعور ایک واحد چیز ہے جسے تمام ذہنی زندگی میں سمجھا جاتا ہے نہ کہ شعور کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔

اقبال بتاتے ہیں کہ اسلام انسانی نفسیات کی ایک بہت اہم حقیقت کو تسلیم کرتا ہے یعنی آزادی سے کام کرنے کی طاقت، عروج وزوال اور آزادانہ طور پر کام کرنے کی طاقت کو برقرار رکھنا ایک قسم کی بے چینی پیدا ہونا پھر خودپرستی کی زندگی میں کم نہ ہونے والا عنصر، روزانہ کی نماز کا وقت جو قرآن کے مطابق خودپرستی کو زندگی جبکہ آزادی کے حتمی ماخذ سے قریب کرکے خودپر حاوی ہوتا ہے۔ اس کا مقصد خودپرستی کو نیند کے مشینی ذریعہ سے بچنخودپرستی ہے۔

فارسی اور اردو ادب میں خودی کا لفظ باطل اور تکبر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس معنوی مشکل کو تسلیم کرتے ہوئے اقبال نے کہا کہ "میں" کی مابعد الطبیعاتی حقیقت کے لیے دوسرے الفاظ بھی اتنے ہی برے ہیں مثلاً خودپرستی، شک، نفس اور خودپرستینیہ۔ وہ خودیا خودپرستی کے تصور کو ظاہر کرنے کے لیے ایک رنگ سے کم لفظ چاہتا تھا۔ جس کی کوئی اخلاقی اہمیت نہیں ہوتی۔ آخر میں آیت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اقبال نے خودی کو سب سے موزوں اصطلاح کے طور پر اپنایا۔ وہ بیان کرتا ہے:

> "اس طرح مابعد الطبیعاتی طور پر لفظ خودی کا استعمال "میں" کے اس ناقابل بیان احساس کے معنی میں ہوتا ہے جو ہر فرد کی انفرادیت کی بنیاد بنتا ہے۔ مابعد الطبیعاتی طور پر یہ کوئی اخلاقی اہمیت نہیں دیتا۔ اخلاقی طور پر لفظ خودی کا مطلب ہے خود انحصاری، خودی عزت، خود اعتمادی، خود کی حفاظت، جب ایسی چیز ضروری ہو زندگی کے مفاد میں اور سچائی، انصاف، فرض، یہاں تک کہ موت کے منہ میں بھی قائم رہنے کی طاقت آتی ہے۔"(۳)

شخصیت کے اس تصور کی نشاندہی اقبال نے اسرارِ خودی کے دوسرے باب میں کی ہے مثال کے طور پر:

پیکر ھستی از آثار خودی است

ھر چہ می بینی ز اسرار خودی است

خود فریبی ہائے او عین حیات

ہمچو گل از خون وضو عین حیات

بہر یک گل خون صد گلشن کند

از پے یک نغمہ صد شیون کند(۴)

خودپرستی کی مضبوطی میں عشق (محبت) اقبال کے فلسفیانہ نظام کا تعین کا اہم عنصر ہے۔ محبت کا مطلب ہے جذب کرنے کی خواہش، اس کی اعلیٰ ترین شکل اقدار، آدرشوں کی تخلیق اور ان کے ادراک کی کوشش ہے۔ اقبال کے نزدیک محبت کا مخالف سوال (پوچھنا) ہے اور جو کچھ ذاتی

کوشش کے بغیر حاصل ہوتا ہے وہ سوال کے تحت آتا ہے۔ اقبال نے بھی محبت کی تعریف "مضمون عمل کی طاقت" کے طور پر کی ہے اور پوچھنے کو بے عملی کے مترادف قرار دیا ہے۔

من بندہ آزادم، عشق است امام من
عشق است امامِ من، عقل است غلام من (۵)

اقبال کے نزدیک خود پرستی دائمی تناؤ کی حالت میں تخلیقی رہتی ہے۔ اگر تناؤ بر قرار نہ رکھا جائے تو نرمی پیدا ہو جاتی ہے جو انسان کو بے عملی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس طرح تناؤ کی کیفیت انسان کا سب سے قیمتی کارنامہ ہے اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ سکون کی حالت میں واپس نہ آجائے جو تناؤ کی کیفیت کو بر قرار رکھتا ہے وہ ہمیں لافانی بنا دیتا ہے جو شخصیت کو مضبوط کرتا ہے وہ اچھا ہے۔ جو اسے کمزور کرتا ہے وہ برا ہے۔ اقبال کا تصور خود پرستی دراصل انسان کو ادب، مذہب اور اخلاقیات کو جانچنے کے قابل بناتا ہے۔ اقبال کے نزدیک اعلیٰ ترین فن وہ ہے جو ہماری غیر فعال قوتِ ارادی کو بیدار کرتا ہے اور ہمیں زندگی کی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اقبال خود شناسی یا خود پرستی کے سلسلے میں جیمز وارڈ اور میک ٹیگارٹ سے بہت متاثر تھے لیکن اقبال اپنے آپ کو جیمز وارڈ کا نہیں بلکہ تیرہویں صدی کے فارسی صوفیانہ اور فلسفی بزرگ جلال الدین رومی کا شاگرد مانتے تھے۔ رومی سے انہوں نے ادب کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ مواد کے معاملات اور بہت زیادہ ترغیب حاصل کی۔ نطشے اور برگسن جیسے جدید مفکرین کے کچھ نظریات کو متوقع پایا۔ اقبال خود پر یقین رکھتا ہے لیکن جیمز وارڈ کی طرح دوسرے نفس پر بھی یقین رکھتا ہے اور نطشے کے خلاف بھی جو دوسرے نفس کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک خود پرستی سب سے بڑی سچائی ہے کہ خدا کون ہے؟ ان کا خود پرستی کا تصور جزوی طور پر یورپی فلسفہ سے ماخوذ ہے لیکن کچھ خاص حصے مسلم صوفیاء اور دیگر مشرقی افکار کے صوفیانہ افکار سے اخذ کیے گئے ہیں۔ فلسفی یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو اقبال کے تصورِ خود پرستی کو یورپی فلسفیانہ افکار سے ممتاز کرتا ہے۔ فچٹے کہتے ہیں کہ سچائی کی تخلیق اس کے خیالات کا نتیجہ ہے لیکن اقبال ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں پیدا
وہی زمانے کی گردش پر غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا (٦)

خود پرستی سب سے بڑی سچائی ہے جو بے شمار دیگر ماتحت خود پرستیوں کا واحد خالق ہے۔ اقبال کا تصور خود پرستی قرآنی نظریات پر مبنی ہے جیسا کہ اس کا کہنا ہے کہ:

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی کا تیغ فساں لا الہ الا اللہ (۷)

اسی طرح اقبال کے نزدیک عشقِ رسولؐ خود پرستی کی بنیادی شرط ہے۔ وہ کہتے ہیں:

در دل مسلم مقام مصطفی است

آبروئے ما ز نام مصطفی است (۸)

کبھی کبھی خود پرستی کو ایک نئی ساخت کے حصول کے لیے گلنے سڑنے کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ خودی کو زندگی کی ٹھوس زمین قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر (۹)

اقبال مزید لکھتے ہیں کہ انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اگر کوئی اپنی خود پرستی پروان چڑھائے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (۱۰)

اقبال مغربی فلاسفر سے ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور مادی دنیا سے آگے نکل جاتا ہے۔ ان کی خود پرستی کا تصور بہت وسیع معنوں میں ہے۔ وہ خود پرستی کے اس جذبے کو انسان پر لاگو کرتا ہے۔ نفسیات کے ساتھ ساتھ قوموں کی نفسیات سے بھی پھر وہ خدا کو پکارتا ہے۔ سب سے بڑی خود پرستی اور دیگر تمام خود پرستی اس کے ماتحت ہیں۔ وہ قومیں جو اپنی خود پرستی کی حفاظت نہ کر سکیں تو اس سے غائب ہو گئیں یہ خود پرستی کا نیا افق ہے۔ اقبال نے اس لیے دریافت کیا کہ وہ ایک فلسفی سے زیادہ تھے لیکن جیمز وارڈ نے کبھی ایسا نہیں سوچا کیونکہ وہ صرف ایک فلسفی اور ماہر نفسیات ہے۔

حوالہ جات:

1. نورالحسن نقوی، "اقبال شاعر و مفکر (،" علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2000ء)، ص 41
2. علامہ اقبال، "اسرارِ خودی ورموزِ بے خودی"، (جاوید اقبال، لاہور 1940ء)، ص 12
3. محمد اکرام چغتائی، "اقبال کی نئی جہتیں ("، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2003ء)، ص 298
4. علامہ اقبال، "اسرارِ خودی ورموزِ بے خودی"، ص 12
5. علامہ اقبال، "زبورِ عجم ("، (سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2004ء)، ص 174
6. علامہ اقبال، "ضرب کلیم"، (غلام علی پبلشرز، لاہور، 1976ء)، ص 100
7. ایضاً، ص 15
8. علامہ اقبال، "اسرارِ خودی ورموزِ بے خودی"، ص 19
9. علامہ اقبال، "بال جبریل"، (کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور، 1935ء)، ص 157
10. ایضاً

References:

1. Noor ul hasan Naqvi, "Iqbal shaer o mufaker", (Ali garah: educational book house, 2000), p 41
2. Allama Iqbal, "Israr e Khudi o Ramoz e bekhudi", (Lahore: javed Iqbal, 1940), p 12
3. Muhammad Ikram Chugtai, "Iqbal ki Nae Jahateen", (Lahore: Sang e Mill Publications, 2003), p 298
4. Allama Iqbal, "Israr e Khudi o Ramoz e bekhudi", p 12
5. Allama Iqbal, "Zabur e Ajam", (Lahore: Sang e mill publication, 2004), p 174
6. Allama Iqbal, "Zarb e Qaleem", (Laore: Gulam ali Publisers, 1976", p 100
7. Ibid, p 15
8. Allama Iqbal, "Israr e Khudi o Ramoz e bekhudi",18
9. Allama Iqbal, "Bal e Jebrel", (Lahore: Kapoor Art Printing Works, 1935), p 157
10. Ibid